سلسلۂ عصمت

یعنی

ایک دلچسپ عبرت انگیز و سبق آموز فسانہ

منازل ترقی

تصنیف

مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف شب زندگی، روداد قفس، الزہرا، ماہ عجم وغیرہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت نے

پہلی مرتبہ بماہ دسمبر ۱۹۳۶ء

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر

دفتر عصمت دہلی سے شایع کیا

قیمت ۱۲ر

باپ دادا پر دادا، سکڑدادا، چار تو یہ اور تین اور، ہیر زا ولی اللہ بیگ کی سات پشتیں اس موضع سکھپاڑہ میں گذریں، جہاں ڈاک خانہ اور تار گھر تو درکنار ڈاکیہ بھی اگر مہربان ہوا تو دو دفعہ ورنہ جمعہ کے جمعہ ڈاک لاتا، وہ بھی یہ نہیں، کہ گھر بہ گھر یا نام بنام تقسیم کرتا۔ آیا، اور چوپال کے سامنے بڑ کے نیچے صافہ اتار، تھیلا کھول، مٹھا نکال، عینک لگا۔ لگا اس طرح پڑھنے۔

قب سے و . . . . . کع . . . . . کع بے، اوپر نظر اٹھائی، خط اول تو جواب ہی ہوتے تھے، اور اس لئے لوگ خود ہی آجاتے تھے، اور اگر جواب نہ بھی ہوئے۔ تو خواہ مخواہ کا تو ایک آدھ ہی ہوتا تھا۔ ورنہ زیادہ تر لیے کہ لینے والے موقعہ پر موجود ہیں۔

"قبلے کون ہے، کوئی نہیں، چل خلتے ہیں، الا . . . لا . . . . تل . . . . تل . . . تلسی لالہ تلسی۔ اٹھاؤ جی"

اس گاؤں کا رہنے والا شخص جس کی اپنی عمر ہی نہیں، بزرگوں کی اور ایک دو کی

نہیں، اکٹھے سات کی یہیں گزری، بھلا سات پانچ اور تیرہ بیس جان کیا خاک سکتا ہے، حد یہ ہے کہ پٹواری کے کہنے سننے یا ترغیب و تحریص سے تحصیلدار صاحب کی دعوت میں پلاؤ، اور زردہ، قورمہ اور کباب سب کچھ کر دیا، مگر کھانے کے بعد کسی کا اصرار اس پیو کٹر پینے سے کیا، کہ سب کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔

شکار کی دھت خاندانی تھی، یہی حکام کی ملاقات کا سبب ہوئی۔ اور یہ تعلقات بڑھتے بڑھتے اتنے بڑھے کہ گاؤں سے چل تحصیل میں، اور تحصیل چھوڑ شہر میں آئے، گاؤں کا چھوڑنا غلطی، اور تحصیل کا چھوڑنا غضب تھا، جیسا دیس ویسا بھیس، شہر کا رہنا سہنا، شہر کا ملنا جلنا، وہی رنگ رکھنے اور وہی ڈھنگ برتنے پڑے۔ ہونے کو شہر میں سب ہی قسم کے لوگ تھے، غریب بھی امیر بھی، سیدھے بھی چالاک بھی، مگر مرزا کے واسطے طبقۂ ادنیٰ کا تو وجود ہی فضول تھا، اس کا میل جول واسطہ غرض جو کچھ بھی تھا، اگر امرا تک بھی محدود رہتا تو غنیمت تھا، صرف ان لوگوں سے بزعم خود لیڈری اور ریفارمری کے تمام مدارج طے کر چکے تھے اور جن کو دن رات ترقی قوم کا وظیفہ تھا۔ اس ترقی کی لپیٹ سیاست تھی جس کی جھپیٹ میں مرزا کو بھی آنا پڑا، کسی انجمن کے سکریٹری کسی کے پریسیڈنٹ، کسی کے ممبر، غرض شہر کی کوئی ایسی ہی بدنصیب مجلس ہوگی۔ جس کا کچھ نہ کچھ واسطہ مرزا صاحب سے نہ ہو، گاؤں تک مرزا نماز کا پورا پابند تھا، تحصیل نے پابندی کو گنڈے دار کیا، اور فنا فی القوم ہوتے ہی وہ بھی رخصت ہوئی۔ مگر کلچر بھی . . . .

اتنی وضعداری باقی رہی کہ دالان اور سائبان کی مرمت کے سلسلہ میں کبھی کبھی مسجد کے معائنہ کو چلا جاتا

(۲)

تہذیب جدید کے دور میں اصلاح قوم کی پہلی کوشش وداع مذہب جس کے

بغیر ریفارمر کی شخصیت، محنت، قابلیت، ہمت کوئی چیز مسلم ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسری کوشش صورت اور ہیئت کا ایک خاص وضع پر ڈھل جانا ہے۔ پہلی کوشش کی کامیابی تو چنداں مشکل نہ تھی، مگر دوسری کوشش میں دو چیزیں بری طرح حائل ہو گیا اوّل ڈاڑھی کی طوالت اور دوم پیشانی کا گٹہ، جس سوسائٹی میں جاتا، جس جلسہ میں شریک ہوتا، جس انجمن میں پہنچتا، اگر سب نہیں تو کم از کم اپنا گروہ تو ضحکہ اور پھبتیاں اور ہنسی اڑاتا کہ کھسیانہ ہو جاتا، ڈاڑھی کا انتظام تو چٹکی بجانے کا کام تھا۔ مگر مصیبت تو پیشانی کی تھی کہ یہ تو بڑا سا ٹھڑا سا سامنے موجود، ہٹانے کی کوشش کرتا تو اور پھر چنے کا قصد کرتا تو دو نو مشکل بلکہ محال یار لوگوں کا حال یہ کہ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ اور کچھ جو خیال آیا تو ایک صاحب فرمانے لگے،

"صاحب! ان چینیوں کو پوستی یا افیمی جو چاہے کہہ لو، مگر نشانہ تو ایسا لگاتے ہیں کہ واہ واہ، آپ دیکھیئے ہمارے مرزا صاحب چین کی لڑائی پر گئے تھے، ظالم نے سوچا کہ انگریز عقل کے پتلے ہیں، انتڑیوں تک کی گولی نکال لائینگے۔ ایسی دو جو عمر بھر یادگار رہے، الگ ماتھے پر لٹک رہی ہے"

(دوسرے صاحب) جی نہیں بات یہ نہیں ہے یہ تو جناب خدا کی دین ہے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ یہ تو ہرتی پھرتی رسولی ہے۔ پانچ سال پیشانی میں، پانچ سال آنکھوں پر، یہ تو مرزا جی کی مغفرت کا سامان ہے، کیونکہ اندھوں کی بخشش سنا ہے بہت جلد ہوتی ہے"

یہ ہی سوانگ تھے جو اکثر دیکھتے، اور یہی پیشانی کا گٹہ تھا، یا کلنگ کا ٹیکہ جو ریفارمری کے براق لباس پر الگ چمک رہا تھا، اور لیڈری کی چھیچھڑی کر رہا تھا

گڈ بھی تو پانچ سات برس کا نہیں، خاصے چھبیس تیس برس کا تھا، ولی کے والد مرزا سمیع کٹے مسلمان اور ایسے انسان کہ اگر آٹھ برس کا بچہ نماز جماعت سے نہ پڑھے تو ماریں پیٹیں، روٹی نہ دیں، کپڑا نہ دیں، اور جو پھر بھی نہ مانے تو گھر سے نکال دیں، مرزا کا گڈھ افیون کا سٹہ نہ تھا، کہ داؤں لگا، اور کھل گیا ڈیون کا لٹھا تھا، کہ پھاڑے پھٹے نہ کاٹے کٹے۔

ولی اس وقت چالیس کے پیٹے میں تھا، بیوی تھی بچے تھے ماں تھی بہن تھی، بھرا کنبہ، اور پورا خاندان، بیٹیاں بیٹی والیاں، بیٹے بیٹے والے، پوتے پوتیاں، نواسے، نواسیاں، پندرہ بیس آدمیوں کا کٹم، ولی تو خیر ریفارمری کا خبط، دوستوں کی صحبت، احباب کا رنگ، ان سب سے متاثر ہو کر بہ مشکل یا بآسانی کینچلی بدل گیا۔ مگر یہ جتنا انقلاب تھا۔ گھر کی چار دیواری کے باہر لیکن ولی، اس نقص کو محسوس کر رہا تھا، اور اس کی کمی کی تلافی میں ہر وقت منہمک۔ بیوی کو جاہل اور بچوں کو بیوقوف، ماں کو دقیانوسی اور بہن کو گنوری ہر وقت کہتا، اور بات بات میں ستاتا مگر سمیع کے چڑھائے ہوئے رنگ ایسے ہلکے نہ تھے، کہ شہر کی آب و ہوا۔ یا ولی کے رگڑوں سے چھوٹ جاتے، گیدڑ کی شامت آئی، کہ ایک روز بیوہ بہن سے جو عمر میں صرف سال ہی بھر چھوٹی اور چار بچوں کی ماں تھی، ان کے سامنے کہنے لگا، "خدیجہ! تو نے بڑی غلطی کی کہ دنیا بھی ہاتھ سے کھوئی اور دین بھی، تجھ کو رانڈ ہوئے، پانچ سال ہو گئے، اور اب تک نکاح نہیں کیا، جو خدا اور خدا کے رسول کا حکم ہے۔ اس رسم نے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی، عورتوں پر سخت ظلم ہو رہے ہیں، تو بھی آخر انسان ہے، اس چیز کو جی چاہتا ہوگا، مگر دل مار

کر بیٹھ رہتی ہے، کیسی لغو رسم اور بیجا رواج ہے، اگر اماں جان اجازت دیں تو تیرا نکاح
میں آج کرا دوں، ہم دن رات اسی فکر میں مر رہے ہیں، کہ کسی طرح قوم ترقی کرے
مگر تم لوگوں پر خاک اثر نہیں ہوتا،،

برابر کی بہن تھی، برس دو برس کی چھٹائی بڑائی کیا، چہرہ غصہ کے مارے سرخ
ہو گیا۔ آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا، مگر معاملہ ایسا ٹیڑھا تھا، کہ جواب نہ دے سکی۔ بس
چلتا تو بھائی کا منہ نوچ لیتی، سوچ ہی رہی تھی، کہ کیا جواب دوں، جو ماں آگے
بڑھی، اور کہا،

"تم جم تجبہ جیسے نالائق بھائی پیدا ہوں اور رانڈ بہن کا بڑھاپے میں دوسرا نکاح
کریں چولھے میں گئی رسم، اور بھاڑ میں گیا رواج، ایک تو ہی تو انوکھا مسلمان
بگڑا ہے۔

یہ عمر اس کے نکاح کی ہے، اللہ رکھے ایک چھوڑ چار چار بچے جوان لڑکے سیانی
لڑکیاں وہ کون تیرا خدا اور رسول ہے، جس نے زبردستی بڑھاپے میں نکاح
کا حکم دیا، تو ایسا ہی اللہ والا ہے، تو لا بہن کا ترکہ تو ڈال دے"

اب مرزا جی کہاں تھے، ترکہ کا نام سنکر تو گئے جمائیاں لینے بات اس وقت
گئی گذری ہو گی، اور ولی اٹھکر باہر چلا گیا۔ دونو ماں بیٹیاں رو پیٹ کر چپکی
ہو گئیں۔ مگر خدیجہ کے دل میں بھائی کی بات ایسی بیٹھی، کہ بھائی کے گھر سے
بہن کا جنازہ نکل گیا۔ مگر بہن کے دل سے بھائی کی بات نہ نکلی۔

(۳)

بیوی مسلمان بیوی، اور گاؤں کی بیوی، تھالی کا بینگن، بے ٹونٹی کا بدھنا،

پسیہ کا پوستین، حکم کی دیر، لڑ کنے کو تیار، اشارہ کا توقف، چلنے کو موجود، کہنے کو انتظار کرنے کو حاضر میاں کا رُخ پاتے ہی ادہر ڈہلنی شروع ہوگئی، مگر جس کا کام اسے سہائے، میاں میرزا کہنے کو خانصاحب، آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر سب ہی کچھہ ہوئے کالر لگایا۔ ٹائی لگائی، اور وقت بے وقت ہیٹ پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ مگر سر کا پان مرتے دم تک ناغہ نہ ہوا۔ حادیہ ہے کہ لاٹ صاحب کے دربار میں کبھی چونے کی چنوٹی، اور زردہ کا کپلا بٹوے میں موجود تھا، دیر لگی زیادہ، طلب کا ہوا زور، رومال منہ پر رکھ زردہ بھی کھایا، اور چونہ بھی، دیکھا نہ بھالا، سپونکا نہ ٹھیکا، قلعی کا چونہ، منہ کے ٹکڑے اڑ گئے، تھوکنے کی جگہ نہیں، اٹھنے کا موقع نہیں، منہ بند ادہر اُدہر دیکھہ رہا ہے، برابر میں جنٹ صاحب تھے اور متحیر کہ یہ خانصاحب کو ہوا کیا۔ ایک رنگ آتا ہے، اور ایک جاتا ہے، بولتے ہیں نہ چالتے ہیں اور بات ہے نہ چیت، لون پر مرچیں، چونے پر زردہ تھا، اب وہ چڑھا۔ اور ہچکیاں شروع ہوئیں۔ خانصاحب سوچ رہے تھے، کہ نہ معلوم بیوی نے یاد کیا یا والدہ نے کہ جنٹ صاحب بگڑ کر بولے، کہ "ویل خانصاحب یہ کیا لغویت ہے" ابھی جنٹ صاحب کا کچھ کا پورا نہ ہوا تھا کہ کمشنر صاحب نے تعارف کی آواز دے ہی دی،

"خانصاحب مرزا ولی اللہ بیگ آنریری مجسٹریٹ"، مرزا صاحب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، ہاتھ بھی ملا لیا اور یہ بھی سن لیا، کہ "خانصاحب ہم آپ سے مل کر بہت خوش ہوا"، مگر جواب کیا دیں، اتنی ہی ایک تدبیر رہ گئی تھی، رومال نکال پیک اس میں لی، مگر لی اس طرح، اور لی کیا، گھبرایا ہوا سٹ پٹایا ہوا۔

آدھی رومال میں اور آدھی چوغہ پر، بلکہ رد کہن کی دو تین چھینٹیں کمشنر صاحب کے کوٹ پر بھی،

مرزا صاحب استاد تھے، مرشد تھے، امام تھے، جب وہ مرد ہو کر اتنے معقول نکلے، تو بشیرن تو شاگرد تھی، معتقد تھی، اور مقتدی تھی، ہونے کو وہ زنانہ کلب کی ممبر بلکہ چند روز کو سکرٹری بھی ہو گئی، اور کپڑا بھی اچھا قیمتی پہنا۔ مگر مہین مین سکھ کے اک بڑے ڈھیلے پاجامہ میں گوٹ ہمیشہ تنہ ہی کی لگائی،

(۴)

مرزا ولی جس کو بعض دوست مشرولی کہتے تھے ان لوگوں میں تھا جن کے ہاتھ میں ترقی قوم کی باگ تھی، اور ترقی نام تھا تمول و اعزاز کا۔ بلالحاظ اس کے کہ مذہب رہے یا جائے، مردوں میں میاں ولی، اور عورتوں میں بیوی بشیرن دونوں کی لیڈری مسلم تھی، مگر کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موقعہ پر کوئی نہ کوئی حرکت دونوں میاں بیوی سے ایسی ضرور ظہور میں آجاتی، جو ابتدائی تربیت اور اگلی صحبت کا پتہ دے دیتی، مردوں میں مرد اور عورتوں میں عورتیں، ہنستے اور مذاق اڑاتے۔ مگر روپیہ بھی عجیب عیب پوش ہے، ہر عیب ڈھانک اور ہر نقص چھپا لیا، اب ضرورت تھی اور ہر طبقہ ذکور اور ہر فرقہ اناث دونوں کو دونوں سے کچھ ایسے کارنامے وجود میں آئیں، جو شان لیڈری کو مکمل کر کے شہرت کا وہ تمغہ گلے میں ڈال دیں، کہ بچہ بچہ کام سے واقف اور نام سے آشنا ہو جاتے، مگر حق یہ ہے کہ بشیرن نے لاکھ مور کے پر لگائے۔ اینٹھی، اچھلی،

اکڑی اترائی، مگر پھر عورت تھی، کثرت ازدواج اور پردہ کی مخالفت تک تو ٹھہری، لیکن آگے راستہ پیچیدہ تھا، ہارمونیم پر گانا بس کا روگ نہ نکلا انجمن میں ایک روز ایک بیوی ہک ہک کر گا رہی تھیں -

لباس ہیں گر ہمارا وہ تو ہم بھی ہیں لباس اُن کا
نہ کچھ ہم اُن سے کم نکلے، نہ وہ ہم سے سوا ٹھیرے
یہ ہے پھر برتری کیسی تفوق کے ہیں کیا معنی؟
کنیزیں بن کے گھر میں جوتیوں کا ہم تلا ٹھیرے
پکانا ریندھنا سینا، پرونا، پالنا سیجے
ہم انساں کیا ہوئے ابلیس وجن دیو و بلا ٹھیرے
ذرا سی بات پر گبھری تو ادنےٰ کام پر جھڑکی
یہ شوہر ہیں کہ ظالم بیویوں کے اب خدا ٹھیرے

سننے میں تو بشیرن ذوق و شوق سے شریک تھی، اور نہ صرف شریک بلکہ گانے والی اور کہنے والی دونوں کو داد دے رہی تھی۔ لیکن جب بیویوں نے یہ درخواست کی کہ آپ بھی گائیے تو ہوش اڑ گئے، کچھ یہ نہ تھا کہ عمر بھر بشیرن گائی بھی نہ ہو، مگر اس کا گانا وہی پرانا تھا "سپاہی میاں تھا ڈھولا میری گوئیاں"

عورتیں پھر آخر عورتیں ہی تھیں، اس پر طرہ بیچ والوں کی لگائی لترائی سب کی رائے یہی ہوئی کہ آئندہ ان کے سامنے گانا موقوف -

ترقی کی منزل مقصود سے یہ پہلا قدم تھا جو بی بشیرن کا پیچھے ہٹا، اور نہ

یہاں تک تو لیڈری کا زور ہو گیا تھا۔ کہ کثرت ازدواج کے مسئلہ پر نفرت کا ووٹ اس وقت تک پاس نہ ہوا۔ جب تک نتو سے پر بی بشیرن کے دستخط نہ ہوئے۔ یہ شکایت رفتہ رفتہ ولی کے کان تک پہنچی اور اس کو یقین ہو گیا کہ ترقی کا چپنا چپنا یا محل بے وقوف بی بی نے خواہ مخواہ ڈہا دیا۔ حیا لاکہہ ایمان کا جزو سہی۔ مگر یہ بھی کوئی حیا ہے کہ عورت عورتوں کے سامنے ہارمونیم پر نہ گا سکے۔ اسی وقت بازار سے جا ہارمونیم خرید لایا۔ اور ایک استانی نوکر رکھ بیوی کو گانا بھی سکھایا۔ اور بجانا بھی۔ اپنی طرف سے ولی نے کوشش میں محنت میں روپیہ میں۔ کسی چیز میں کمی نہ کی۔ مگر تربیت بھی بدنصیب کے واسطے لغو نکلی کہ میاں لاکہہ سکھا پڑھا کر بھیجتا مگر وہ نیک بخت جہاں جلسہ میں پہنچی۔ اور ہونٹوں پر کچھ ایسا گوند چپکا کہ گانا تو درکنار گانے کے متعلق بات تک کرنی مشکل ہو جاتی۔ بشیرن خود تو ترقی نسواں کی اس شاخ سے جس کا نام موسیقی تھا۔ اور جس کے بغیر عورت بقول ولی ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہیں۔ مایوس ہو گئی۔ مگر ولی کا استقلال ایسا نہ تھا کہ وہ ناامید ہو کر مایوس ہو جاتا۔ دن رات ادہر میاں۔ ادہر بیوی بیچ میں باجا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ولی شام کے وقت سُر دے رہا تھا۔ اور بشیرن سامنے بیٹھی آ۔آ۔آ کر رہی تھی کہ موذن نے صدائے حق بلند کی۔ یہ بھی عجیب مختلف التاثیر آواز تھی۔ ماں یہ کہتی ہوئی تھرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی "تیری شان بڑی"۔ اور بیٹے نے زور سے قہقہہ مارا۔ ماں وضو کرنے لگی۔ موذن کی صدائے توحید ہوا میں گونج رہی تھی۔ اور اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ولی کی انگلی اب سر سے آگے رکھپ کے پردے پر تھی کہ

ماں نے کہا۔ کم بخت نماز کی راہ نہ دیکھ گو اذان ختم ہو جانے دے۔ یہ اس کا پیام ہے۔ جس کے حضور میں ایک روز حاضر ہونا ہے۔ ایسی ایسی صدائیں اور ایسی ایسی صدائیں اور ایسی ایسی گھڑکیاں نہ معلوم ان کانوں میں کتنی سنیں اور اڑا دیں۔ موذن کی خشک آواز ختم ہو گئی۔ مگر باجے کی سُریلی تان کا خاتمہ نہ ہوا۔

ہر چند زور لگائے مگر جب بیوی کسی طرح رُخ پر نہ آئی تو حیا کم کرنے کا ایک رستہ ولی نے یہ سوچا کہ پردے کی سخت قید کم کی جائے۔ وہ اس تاک میں تو مدت سے تھا۔ مگر ماں اور بہن کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ اب جو ضرورت نے مجبور کیا تو چاندنی رات میں بیوی کو لے کر باہر نکلا۔ کہ چار آنکھیں ہوں۔ اور کسی طرح یہ موذی شرم۔ ذلیل حیا۔ اور لغو غیرت غارت ہو۔ مغرب سے پہلے تو برقعہ برائے نام منہ پر رہتا۔ ادھر آفتاب غروب ہوا۔ اور ادھر کھولو میاں مقنع اور گھر سنبھالو اپنا۔ برقعہ نہ غلاف دھو یا دہایا دیدہ صاف۔

طبیعت اپنی صلاح اپنی۔ دل اپنا۔ شورہ اپنا۔ بشیر النساء بیگم اگر بے پردہ نکلیں تو کسی کو اعتراض کا حق کیا۔ تجویز اپنی خیال اپنا رائے اپنی فیصلہ اپنا۔ مرزا ولی اللہ بیگ اگر بیوی کو باہر لائے تو ٹوکنے والا کون۔ مگر یہ کیا غضب تھا کہ کام اپنا نام مذہب کا۔ ضرورت اپنی اور آڑ اسلام کی۔ ہماری طرف سے مرزا بندریا کی طرح بیوی کو ڈگڈگی پر نچاتا۔ اور بشیرن ریچھ کی مانند بانسری پر تاتھیہ کرتی۔ لیکن یہ کیا ستم ہے کہ مرزا کمبخت قرآن سے قطعی ناواقف۔ حدیث سے مطلق ناآشنا۔ اور اعلان یہ کہ اگر کوئی مسلمان حدیث و قرآن سے پردہ ثابت کر دے تو پانچ ہزار روپیہ انعام۔

(۵)

نتیجہ ان باتوں کا یہ ہوا اور یہی ہونا چاہیے تھا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد مرزا کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ لیکن اس سے ہوتا کیا تھا۔ جس کو وہ عزت سمجھتا تھا۔ اور جو واقعی عزت ظاہری تھی بھی۔ وہ روز بروز ترقی کرتی گئی۔ حکام میں اثر اس کا۔ امرا سے میل جول اس کا۔ سیر محلہ وہ عقل کا پتلا وہ۔ چند آدمیوں کے برا کہنے اور برا سمجھنے سے ہوتا کیا تھا۔ ان بے چاروں کے پاس اس کے سوا اور رکھا کیا۔ وہ چار ل گئے اور برا بھلا کہکر جی ٹھنڈا کیا،

دور جدید کا تجربہ بتلاتا ہے کہ ترقی و مذہب دو متضاد چیزیں ہیں۔ مسلمان جس قدر مذہبیت سے دور ہوگا۔ اسی قدر ترقی کے قریب مسلم اور غیر مسلم کے مقابلہ میں اگر کوئی مسلمان مسلم حقوق کو پامال کردے تو یقیناً عہد موجودہ کی ترقی اس کی ہستی سر آنکھوں پر رکھے گی۔ اس سے زیادہ راستباز۔ اُس سے بہتر صادق اس سے بڑھکر مسلمان دوسرا نہیں ہوسکتا۔ شہر میں ایک مندر تھا جس کے متصل ایک مسلمان عورت رہتی تھی۔ مندر کے مالک سیٹھ جی نے کئی دفعہ کوشش کی کہ مکان لے لیں۔ لیکن عورت راضی نہ ہوئی۔ جب زیادہ زور پڑا تو ایک دن اس نے جلکر کہدیا کہ "جس طرح تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میں یہ مکان لے لوں۔ اسی طرح میرے دل میں یہ جذبہ موجود ہے کہ ممکن ہو تو مندر ملاکر اپنا مکان بڑھاؤں"۔ اب سیٹھ کو کہاں تاب تھی۔ مالدار تھے۔ معزز تھے حکام رس تھے۔ مجسٹریٹ تو نہیں . . . میونسپل کمشنر بھی تھے۔ عورت غریب تھی۔ مفلس تھی۔ بیوہ تھی۔ بیوارثی تو نہیں۔ لیکن یتیم بچوں کی ماں تھی۔

سیٹھ جی کو شکایت یہ تھی کہ کوّے اس مکان سے ہڈیاں لاکر اس مندر میں
پھینکتے ہیں۔ یہ شکایت اتنی بڑھ گئی کہ دن رات اس کوشش میں منہمک تھے
ڈیڑھ دو برس اسی طرح گزر گئے۔ اب ادھر عورت کا یہ جواب سُنا۔ ادھر بچے
کے قرآن شریف پڑھنے کی آواز گھر سے آئی جل کر خاک ہو گئے۔ اور
سوچا کہ ایک کم بخت فقیرنی کی یہ مجال کہ میں مانگوں اور مکان نہ دے۔ میں
نہ صرف اس سے مکان لوں بلکہ کافی سزا بھی دوں"۔ امیر کے قصد کی دیر ہے
غریب کی تباہی کام ہی کیا بڑا ہے لوگوں نے صلاح دی کہ اس کے شوہر کو
مرے تین برس نہیں ہوتے۔ قرضہ کا دعویٰ کر دو۔ قبالہ اسی کے نام ہے
ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ مکان ہاتھ آجائے گا۔ عورت غریب کو خبر بھی نہ ہوئی
اور دعویٰ فرضی دائر ہو گیا۔ دیگوں میں اجمیر کی دیگ۔ ایمان داروں
میں ایمان دار ولی اللہ بیگ۔ مقدمہ انہیں کے سپرد ہوا۔ مرزا اول تو سیٹھ
کا دوست تھا۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو مالدار کی زبان کے آگے غریب کا حلف
اور قرآن وقعت ہی کیا رکھتا ہے سونے پر سہاگہ سیٹھانی اور شیرن کا میل
جول تھا۔ سیٹھ نے بیوی کو پڑھا ہی رکھا تھا۔ موقع پاکر بیٹھنے میں سیٹھانی
نے رام کہانی سنا دی۔ مالدار کو ممنون کرنے کا موقع خوش نصیبوں ہی کو
میسر ہوتا ہے۔ سیٹھ کی اسپیٹ ظاہر اور مرزا صاحب کا انصاف صاف تھا کہ
کہ عورت کو خبر بھی نہ ہوئی اور فیصلہ برخلاف ہو گیا۔ صبح کا وقت تھا اور عورت اپنے
بیمار بچے کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ موسم سرد تھا۔ اور دن خراب۔ بیماری کا زور
اور بازار موت گرم۔ عورت ہاجرہ کے جذبات کے ساتھ ہی بیوگی نے زندگی برباد

کردی تھی۔ شوہر پچاس روپے کا جیل خانہ میں داروغہ تھا۔ جب تک زندہ رہا۔ میاں، بیوی، بچے اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر اس کے مرتے ہی عزت ذلت سے اور ساکھ خاک سے بدل گئی۔ اب اس کشتی کا ناخدا گیارہ برس کا بچہ تھا جو باپ کے بعد اس لئے کہ ماں تعلیم کا خرچ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اور مسلمانوں میں کسی کو اس طرف توجہ کی ضرورت تھی نہ فرصت ایک کارخانہ میں دس روپیہ ماہوار کا نوکر ہو گیا۔ یہ بھی بسا غنیمت تھا کہ اس ایک کی کمائی سے اتنے دم پل رہے تھے۔ اور بیوہ اپنا بھرم بنائے بیٹھی تھی، ورنہ قوم نے تو نہ معلوم اپنی ترقی پر ایسی اکتنی معصوم ہستیاں قربان کر دیں۔ اور کتنے یتیم مسلمانوں کی جلیبیں بھر رہے اور ٹہل کر رہے ہیں!

بچہ ماں کی گود میں تھا۔ اور ہزاروں وہم دل میں چلے آ رہے تھے کہ بڑے نے ایک پیسہ کا شربت لا کر دیا۔ اور کہا "اماں جان لائیے۔ روٹی دے دیجئے۔ دیر ہو گئی۔ دیکھئے دھوپ کتنی نکل آئی"۔

ماں۔ بیٹا میرے اوسان روٹی پکانے کے ہیں۔ ذرا ننھا ہوشیار ہو جاتا تو دو روٹیاں ڈال دیتی۔ جا میاں یونہی چلا جا۔ لے ایک پیسہ بٹوے میں پڑا ہے چنے لے لیجیو۔ شام کو اللہ چاہے سویرے سے پکا رکھوں گی"۔ بچہ پیسہ لے کر گیا تو ماں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔ ماتا کی ماری کبھی بیمار کا ہنڈا دیکھتی تھی کبھی منہ میں دودھ دیتی تھی۔ بڑے کا خیال آتا تھا تو کہتی تھی کہ اسی دن کو پالا پوسا تھا۔ کہ اس سردی میں جگر دم تین برس کی چھالکا لکڑی گلے میں۔ اور دو کوس جنگل میں بھوکا بھیجوں۔ نگوڑے کی بساط ہی کیا ہے

گیارہ برس کی جان اس لائق ہے کہ صبح کا گیا شام کو لق لق کرتا آئے۔ اور ٹکڑا نصیب نہ ہو۔ انہی خیالات میں مستغرق تھی۔ آنکھ لگ گئی۔ آنسو کی جھڑیاں بہ رہی تھیں کہ کان میں یہ آواز آئی :۔

اس گھر میں کون ہے ادھر آؤ"

ہم کو علم ہے کہ بڑے آدمیوں کی رائے میں چھوٹی عورتوں کو پردے کا حق نہیں۔ ہم کو خبر ہے کہ دولتمندوں کے خیال میں حاجتمندوں کا جینا فضول ہے۔ اس لئے جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ ہاجرہ کی پہلی غلطی یہ وہ اور دوسری غلطی بلکہ حماقت یہ کہ جب سے میاں مرا۔ کسی غیر مرد کو آواز نہ سنائی۔ عدالت کا ناظر، چپراسی، مدعی، دروازے پر کھڑے چلا رہے ہیں۔ اور جواب نہیں دیتی یہ قانون جانے اور قانون جاننے والے کہ جائز تھا یا ناجائز اور صحیح تھا یا غلط۔ مگر ہم نے جو سنا وہ یہ تھا کہ کچہری کی فوج چار پانچ مرد گھر میں گھس گئے۔ ہاجرہ کی نگاہ دروازہ پر تو پہلے ہی تھی یہ صورتیں دیکھکر چیختی اور یہ کہتی ہوئی بھاگی :۔

ہائے کون ؟

گھبرائی ہوئی۔ بدحواس۔ ننگے پاؤں۔ ننگے سر کندھے سے بچہ چمٹا دروازے کی ٹکر لگی۔ مگر کیسی چوٹ اور کس کی ٹکر۔ جھٹ اندر گھس گئی اور کنڈی لگا چپکی بیٹھ گئی ۔

ناظر۔ ارے اس گھر میں کوئی موجود نہیں ہے

ایک دفعہ پوچھا۔ دو دفعہ پوچھا۔ تین دفعہ پوچھا۔ مگر جواب نہ ملا تو ایک چپراسی نے کہا "کیا بہری عورت ہے؟"

ناظر۔ اچھا دیکھ۔ یہ حکم سن لے۔ خانصاحب مرزا ولی اللہ بیگ کے نام سے جو ڈگری تیرے شوہر کے نام ہوئی تھی اس کے مطابق تجھکو حکم دیا جاتا ہے کہ تو یا تو آٹھ سو کی رقم قرضہ ادا کر ورنہ پندرہ دن کے اندر یہ مکان خالی کر دے۔"

ایک معصوم بچے کی بیماری۔ ایک سیانے بچے کی بھوک۔ اگر ماں کے دل پر کچھ اثر کر سکتی ہے تو ہاجرہ اس میں گرفتار تھی کہ اس مصیبت کا سامنا ہوا۔ ہوش اڑ گئے۔ پتھر کی طرح گم سم۔ کچھ سوچا۔ اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اتنا کہا مسلمانوں میں میرا وارث کوئی نہیں۔ کچھ شک نہیں۔ میں بے وارثی ہوں۔ میرا بچہ ابھی بچہ ہے۔ مگر مجھے اسلام سے یہ توقع تھی کہ میرا وارث اٹھنے کے بعد ہر مسلمان گھر میں مجھے وارث نظر آتے۔ باپ میری بیوگی کے زخم پر مرہم رکھتے۔ بھائی میرے رنڈاپے کے آنسو اپنے دامن سے پونچھتے۔ بچے اپنی محبت کی گردنیں میری گود میں جھکاتے۔ مگر آج تین سال میں تراقے کے فاقے گزرے اور کڑاکے کے جاڑے بیتے۔ شادیاں میرے پڑوس میں ہوئیں۔ دیگیں دیوار بیچ چڑھیں۔ میں یتیم بچوں کو کلیجے سے لگا اور سلا کر پڑی، لیکن کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا! کہاں جاؤں؟ کس سے کہوں؟ کوئی کیوں سننے کہ کیا ہوئی۔ اور کیا پوچھے کہ کیسی گذری۔ کیسا قرضہ کس کا دینا۔ وہ تو اس کے پاس بھی نہ تھے ہائے ظالم نے اس بہانے سے

مکان چھین لیا ۔ کون ہے جو ایمان کی بولے ۔ اے اللہ تیرے سوا کوئی نہیں
تین پشتوں کا مکان ہے ۔ بڑے بوڑھے سب چھوٹ گئے ۔ مگر ان کی
نشانی موجود ہے ۔ آج یہ بھی چلی ۔ اس میں مرنے والوں کا نال گڑا ۔ یہ اب
مجھ سے جدا ہوتا ہے ۔ اور وہ وقت آتا ہے کہ جس کو سخت سے سخت مصیبت
اور بڑی سے بڑی آفت میں بھی الگ نہ کیا ۔ علیحدہ ہو ۔ میں جس کو کلیجہ سے
لگائے بیٹھی تھی ۔ اب اس کی اینٹ سے اینٹ بجیگی ۔

سر پھوڑتی تھی ۔ ٹکریں مارتی تھی ۔ اب آسمان کو دیکھکر حسرت سے
کہتی تھی کہ "بے وارثوں کا وارث تو ہی ہے" دفعتہً سیٹھانی اندر آئی اور کہا
تو ایسی پردے والی نکلی کہ سرکاری آدمیوں سے بھی بات نہ کی ۔ اگر پندرہ
دن گذر گئے ناظر جی تیری چٹیا پکڑ کر نکال دینگے ۔ اور جیل خانہ جائے گی وہ
الگ ۔ اور کہیں کیوں نہیں چلی جاتی ۔

ہاجرہ ۔ اگر انصاف اسی کا نام ہے اور ایمان کے یہی معنی ہیں ۔ جو
ہوا ۔ اور ہوگا ۔ تو بے انصافی دکھا دو ، اور بے ایمانی بتا دو مندر تمہارے
عقائد میں خدا کا گھر ہے ۔ تم ایک بیوہ پر ظلم کرکے یتیم بچوں کا مکان خدا
کے مکان میں شامل کرتے ہو ۔ یہ عبادت مصیبت ہوگی ۔ اور یہ ثواب عذاب
ہوگا ۔

سیٹھانی ۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے ۔ ہمارا تیرا فیصلہ تو ہے نہیں یہ
تو عدالت کا فیصلہ ہے ۔ اور عدالت بھی تیرے بھائی ہند کی ۔ مکان آج خالی
نہ کرے کی پندرہ دن بعد سہی ۔ مگر ذلت سے جوتیاں کھا کر کیا تو کیا کیا ۔ سنیچر

کو یہ سب ڈھا دیا جائے گا۔

ہاجرہ ۔ عدالت میرے بھائی بندکی تو کیا مسلمان بلکہ انسان کی بھی ہوتی ۔ تو اس بے انصافی کا فیصلہ نہ کرتی ۔ مکان تم کو خدا نے دیا ۔ مبارک ہو ۔ میں خالی کر دوں گی ۔ اور اگر تقدیر میں جوتیاں کھانی لکھی ہیں تو یہ بھی کھا لوں گی"۔

سیٹھانی ہنستی ہوئی چلی گئی ۔ شام ہو رہی تھی ۔ پوجاری حصول کامیابی پر اینڈ اینڈ کر بھجن گا رہے تھے ۔ مندر کے دروازے پر نفیری اور طبلہ بج رہا تھا بیسیوں مسلمان آتے اور جاتے اس منظر کا لطف اٹھا رہے تھے ۔ ہاجرہ کا بچہ ہمیشہ پانچ بجے کے قریب آ جاتا تھا ۔ مگر آج نہ آیا ۔ بدنصیب ماں مکان کا صدمہ بھول گئی ۔ اور دروازے میں کھڑی ہو کر دراڑوں میں سے اس صورت کو دیکھنے لگی ۔ جس نے دم پر بنا دی تھی ۔ نظر جہاں تک جا سکتی تھی ۔ اور مایوس ہو کر لوٹتی ۔ مسلمانوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ برابر میں لگا تھا ۔ اور کسی کو پتہ نہ تھا ۔ کہ اس لطف کی تہ میں ایک مسلمان ہستی کی کیسی مصیبت پوشیدہ ہے ۔ ہاجرہ کی کیفیت یہ تھی ۔ بچہ کنارے سے چپٹا اندر جاتی ۔ تسبیح پڑھتی اور پھر دروازے میں آ کھڑی ہوئی ۔ روتی ، بلبلاتی اور کہتی "اے اللہ ! میرے بچے کو بھیج دے" ۔ اندر گئی ۔ بیٹھی کہ دروازے میں پاؤں کی آہٹ ہوئی ۔ مایوسی کا دریا جو دل میں لہریں لے رہا تھا ، امید سے بدلا ۔ نگاہ بیتابانہ اس طرف اٹھی ۔ دل مضطرب تھا کہ جلد آنکھ اس شکل کو دیکھ لے اور اس آواز کو سن لے اس لال کو کلیجے سے چپٹا لے ۔ جو صبح کا پیاسا صبح کا گھر سے نکلا ۔ اب تک آنکھ سے اوجھل اور نظر سے غائب ہے لیکن ان تمام توقعات کا انجام اور

امیدوں کا نتیجہ صرف یہ پیام تھا "دہیلی روپیہ اور سے دے اور مکان آج ہی خالی کر دیے"، شام ہو چکی تھی اور اندھیرا ہر سمت چھا چکا تھا۔ دنیا میں کچھ ہی روشن ہو۔ مگر ہاجرہ چراغ سے محروم تھی۔ ڈری۔ سہمی کلیجہ بلیوں اچھلنے لگا۔ اٹھی۔ کوٹھڑی میں چھپی۔ اور کنڈی لگا کر بیٹھ گئی یہاں تک کہ بچے کی آواز کان میں آئی "اماں جان کہاں چلی گئیں۔ لاؤ بوتل لاؤ۔ تیل لادوں"۔ باہر آئی اور کوشش کی کہ آواز مصیبت کے راز کا پتہ نہ دے پوچھا میاں اتنی دیر کہاں لگ گئی؟"

بچہ خرچ مانگ رہا تھا۔ منشی جی ہوا خوری کو چلے گئے۔ اب آئے تو لیا۔

ماں۔ اچھا بیٹا لو بوتل لو۔

بچہ۔ ننھے کا بخار اترا؟

ماں۔ ہاں شکر ہے اللہ کا۔ آٹا لے آؤ۔ ایک پیسے کے اُپلے بھی لینا۔ اور پیسہ کا سالن بھی۔

بچہ بہت اچھا۔ آٹا کتنا لاؤں

ماں بس آدھ سیر

بچہ بازار گیا اس کے ساتھ ہی دروازے میں آ کنڈی لگا کھڑی ہو گئی اور کھڑی رہی جب تک وہ آیا۔ اس کو اندر سے کنڈی لگا۔ آٹا گوندھ آگ سلگا۔ روٹی ڈالی اور بچے کو دی۔

بچہ۔ اماں جان آئیے آپ بھی آئیے

ماں۔ تم کھالو میں ٹھیر کر کھاؤں گی۔

بچہ۔ نہیں۔ تم نہ کھاؤ گی تو میں بھی نہ کھاؤں گا۔

بچہ اتنا کہکر ماں کے قریب گیا تو اس کی آنکھ سے آنسو نکل رہے تھے۔ گلے میں ہاتھ ڈال لپٹ گیا اور کہا "اچھی میری اماں جان روؤ نہیں"۔ بچے کو کیا معلوم کہ کیا گذر گئی۔ دونوں ماں بیٹے لپٹے رو رہے تھے اور یہ اس قوم کی دو زندہ روحیں تھیں جس کے مرد اور عورت میدان ترقی میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں بچے کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے سر کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ اچھا میاں کھا میں بھی کھاتی ہوں۔ اس چڑیا کی طرح جو ادہر ادہر سے دانہ دنکا ڈہونڈھ ڈہانڈھ اپنے پیٹ میں اس لئے ڈالتی ہے کہ بچوں کے حلق میں پہنچا دیگی۔ ہاجرہ اس وقت اپنے بچے کو بھرا رہی تھی۔ کھلا چکی تو برتن اٹھا کر رکھے۔ اور پیارے کو کلیجے سے لگا کر لیٹ گئی۔

پانی کی روانی کا انقطاع۔ پیٹ کے بچے کا امید کی لپیٹ میں آنا ممکن لیکن؟ ہاجرہ نے بارہ تیرہ گھنٹے کی رات آنکھوں میں کاٹ دی ہوا کے جھونکے درخت کے پتے۔ آسمان کے تارے اس کی بے قراری اس کے کرب اور اس کے اضطراب کے شاہد رہے اور اس تمام ادہیڑ بن اور بے قراری کا فیصلہ یہ رہا کہ صبح ان حاکم کے پاس جو مسلمان ہیں جاؤں اور اپنی مصیبت سناؤں۔

شب سیاہ ہاجرہ کی مصیبت نہ تھی جو ختم نہ ہوتی جب موذن نے رات کے خاتمے کا اعلان نعرہ توحید سے کیا تو حسب دستور اٹھی وضو کیا نماز پڑہی بچے کو کھانا کھلا کر کام پر بھیجا۔ اور یہ آج پہلا روز پہلی گھڑی اور پہلا اتفاق تھا کہ ایک ترقی کرنے والے مسلمان کے ہاتھوں برباد ہونے والی عورت اپنا پردہ اٹھا

اور اپنی آن چھوڑ نیچے کو کندھے سے لگا سفید چادر اوڑھ صد سڑک پر آئی ۔ یہ وہ پاؤں تھے جنہوں نے گھر کی دہلیز نہ لانگی ۔ یہ وہ عورت تھی جس کی آواز غیر مرد نے نہ سنی ۔ ایک ایک سے پوچھتی ڈرتی سہمتی ۔ خانصاحب کے گھر تک پہنچی ۔

(۶)

"میں دیکھتا ہوں کہ کبھی کبھی تم ایسی گم سم ہو جاتی ہو ۔ کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس مسرت اس عزت اور اس فرحت پر جو ہم کو میسر ہے رنج و غم کا ہمارے پاس کیا کام ۔ ہم کو ہر وقت خوش و خرم دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہئے ۔ تم کو یہ کیا فکر کا دورہ اٹھتا ہے؟"

بشیرن ۔ دل ہی تو ہے بعض دفعہ خیال آجاتا ہے ۔ اس لئے خاموش ہو جاتی ہوں ۔

ولی کس بات کا خیال آتا ہے ۔ کونسی چیز ہے جس کا ہم انسداد نہیں کر سکتے ۔ ایک ماں باپ تو وابستہ ہاتھ آنے مشکل ہیں ۔ ورنہ جو تم کہو فوراً انتظام کر دوں ۔

بشیرن ۔ باجی کا خیال ہے ۔ دل ان کی باتوں کو ترستا اور آنکھیں ان کی صورت کو ترستی ہیں ۔ پندرہ بیس برس سے زیادہ ہی ہوئے ہوں گے بس کوارپنے میں دیکھا تھا ۔ شادی کے بعد ان کو آنا نصیب ہی نہ ہوا ۔ ہتیرا ہی سب نے ابا جان کو منع کیا کہ اپنوں کی کھپت اپنوں ہی میں خوب ہوتی ہے للہ شہر سے باہر نہ بیاہو ۔ مگر اللہ بخشے وہ ایسے ضدی تھے کہ خاک نہ سنی ۔ اماں جان تو دو دفعہ یہاں آنکر مل بھی گئیں مجھے صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی ماں کا بیٹ

سگی بہن ان کا خیال جس وقت آتا ہے۔ کلیجے پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ تمہاری یہ حکومت کس کام کی۔ رستم دروازے میں رہتی تھیں۔ ان کے میاں کا نام میر منصب علی تھا۔ پتہ لگانا چاہو تو کیا بڑی بات ہے۔ مگر تم کو ایسی ضرورت ہی کیا ہے۔

ولی ۔ گو میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ مگر تمہاری بہن میری بہن سے کم نہیں۔ میں تمام رستم دروازہ ۔ پورا محلہ۔ سارا کوچہ ۔ ایک ایک گھر اور ایک شخص سے دریافت کر چکا۔ ان کا سراغ نہیں چلتا۔" بشیرن کی نگاہ دروازہ پر پڑی تو کیا دیکھتی ہے۔ کہ ایک عورت سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی کھڑی ہے۔ پوچھا کون ہے؟ مگر جواب نہ ملا تو کہنے لگی" ارے بولتی کیوں نہیں۔ کمبخت تو کون ہے؟" ولی کی ماں اُٹھ کر پاس گئی۔ اور کہا نیک بخت کہاں سے آئی کیا کام ہے؟"

عورت مجھے مرزا صاحب سے کچھ عرض کرنا ہے۔

ولی ۔۔ دریافت کرو کہاں سے آئی ہے کیا کہتی ہے۔ کہاں رہتی ہے؟

عورت ۔ بیوی یوں کہہ دیجئے کہ منارہ کے پاس رہتی ہے۔ وہیں سے آئی ہے۔ مکان کے متعلق عرض کرنا ہے خدا اور رسول کا واسطہ اس کی حالت پر رحم کیجئے ۔

ولی ۔ اتنا سنکر باہر گیا۔ اور چپراسی کو بلا کر کہا "تم نمکحراموں کو پچاس دفعہ حکم دیدیا کہ کسی مقدمہ والے کو احاطہ کے اندر مت آنے دو۔ مگر اس قدر نالائق ہو کہ مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ نکالو اس مردار کو۔ یہ اندر آ گئی" ہاجرہ اتنا سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگی اور الٹے پاؤں لوٹی۔ شکر کرتی باہر آئی اور صبر کرتی چلی گئی۔ ولی کی ماں بتہ پونچھ چکی تھی ڈولی منگوا اس کے گھر پہنچی ۔ داستان پوری سُنی تین چار

گھنٹے اس کے پاس بیٹھی ۔ روتی رہی اور یہ کہکر چلی آئی ۔ تُو اصبر کر۔ اللہ اور دیگا۔

(۷)

شام ہو چکی تھی ۔ ولی اور شیرین دونوں میاں بیوی پائیں باغ میں بیٹھے آمد شب کا لطف اٹھا رہے تھے کہ ایک برقع پوش عورت سامنے آکر کھڑی ہوئی اور کہا :—

"میں عورت ہوں اور وہ عورت جو کبھی تیری صورت کی عاشق تھی ۔ اور آج تیری جان کی دشمن ۔ میں تجھے اطلاع دیتی ہوں کہ ترقی کی دُھن اور مسرت کے خبط نے تیری عاقبت برباد کردی ہوشیار ہو کہ تجھ پر ایک سخت عذاب نازل ہونے والا ہے ، تجھے معلوم ہے کہ تو نے دولت کے زعم اور حکومت کے نشے میں اس بیوہ عورت کا جس کی آہ عرش کا کنگرہ ہلانے والی ہے جو تیری حقیقی بہن اور ماں جائی تھی ایسا دل توڑا کہ آج تک اس نے تجھ سے بات نہ کی تجھے خبر ہے کہ ایک بے گناہ بے وارثی اور بے مددگار عورت کا گھر تیرے حکم سے زبردستی چھینا جاتا ہے ۔ تجھے علم ہے کہ تیرے ظلم نے ان یتیم بچوں پر ستم توڑ دیا ۔ جن کا وارث خدا کے سوا کوئی نہیں ۔ میں واقف ہوں کہ زندگی کے فانی جلووں نے تیری آنکھوں پر پردے ڈالدیئے ۔ میں باخبر ہو کہ ترقی کی جھوٹی امیدوں نے تیرا ایمان غارت کر دیا ۔ میں جانتی ہوں کہ دنیا کی ناپائیدار خوشیوں نے تیرے جسم میں ظلم کے دریا دوڑا دیئے ۔ شیطان تیرے سر پر دنیا تیرے دل پر اور نفس تیرے وجود پر سوار ہے ۔ لیکن ڈر اس انجام سے لرز اس نتیجے سے اور کانپ اس وقت سے جو آنکھیں دیکھینگی ۔ دل اٹھائے گا ۔ اور جسم بھگتے گا ۔ یہ مسرت

کے سامان - یہ فرحت کے اسباب - یہ بلبل کا نغمہ یہ پھولوں کی کلیاں - غور
سے دیکھتا - اور حقیقت کو ٹٹولتا تو فنا کا سبق اور عبرت کا درس تھیں - بلبل
شاخ گل پر چہکی اور اڑ گئی - نغمہ ہوا میں گونجا اور ختم ہوا - کلی پھول بنی اور مرجھا
گئی - باغ - باغ کا ہر ذرہ - درخت درخت کا ہر پتا - کائنات - کائنات کا ہر
جزو - آنکھیں ہوتیں تو دکھا دیتا - اور کان ہوتے تو سنا دیتا - کہ ہر ہستی فانی
اور ہر وجود مٹنے والا ہے - عزت اور ذلت - تمول اور افلاس - جاڑا اور برسات
دن اور رات ہر مرحلہ بے ثبات - اور باقی رہنے والی صرف ایک ذات تو کیا، تیری
حکومت کیا - بڑے بڑے جلیل القدر شہنشاہ - کانوں آنکھوں والے - عزت،
حکومت والے اس دربار میں جھک گئے - او بدنصیب ہستی توبہ کر، اور غافل
نہ ہو، اس وقت سے جس کا نام موت ہے تو نے سنا اور میں نے سنایا، کہ
ایک مظلوم عورت، ایک بیوہ عورت، ایک بدنصیب عورت نے تیری آنکھوں
کے سامنے تیرے مکان کے اندر تیری دہلیز کے اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
واسطہ دیا، یہ وہ نام ہے جس کے اشارے پر تجھ جیسے ناہنجار کا بیڑا پار
ہو جاتا اے ذلیل انسان کس پرتے پر تتا پانی، مسلمان ہو کر اسلام کی یہ وقعت
تجھ جیسے مسلمان بے ایمان ہو جائیں - مگر تاریخ اب بھی تمہارے کان میں کچھ کہہ رہی
ہے، کیا تو نے نہیں سنا، کہ جس وقت روم کے بادشاہ نے مسلمانوں پر سخت ظلم
وستم کیا، اور ماموں پر چڑھائی کی، تو دشمن نے شرائط صلح پیش کیں، فوج
عمالہ اہلکار وزراء باغ باغ تھے کہ بغیر لڑے بھڑے فیصلہ ہو گیا، جس وقت
صلح نامہ ماموں کے سامنے پیش ہوا تو گو بادشاہ نے لکھوکھا روپیہ کی نذر شہر

شہر خراج دینا منظور کیا۔ مگر ماسون کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے کہا، جس وقت ظالم بادشاہ نے ظلم توڑے ہوں گے اور حالت مایوسی و بیچارگی میں ایک عورت کی زبان سے یا محمدؐ نکلا ہوگا۔ اس کا معاوضہ روم کا قلعہ، روم کی سلطنت اور روم کا تاج بھی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ ماموں الرشید تھا، جس نے آخر وقت فرش خاک پر بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا، اور کہا، اے وہ بادشاہ، جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں۔ اب اس شخص پر رحم کر جس کی سلطنت ختم ہوتی ہے۔

ولی ڈر اس طاقت سے بچ اس غصہ سے اور پناہ مانگ اس قوت سے جس کو کبھی فنا نہیں ہے،

برقع کی وجہ سے صورت اور دوری کی وجہ سے لہجہ سمجھ میں نہ آتا تھا مگر الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے، ولی خاموش سنتا رہا، اور عورت غائب ہو گئی۔

(۸)

"آج صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ تمہاری بہن اپنے میاں کے ساتھ جو کہیں باہر ملازم ہیں چلی گئیں، مکان ان کے پاس کرایہ کا تھا۔ یہاں ان کی کچھ جائداد نہیں، باہر جا کر انہوں نے سکونت وہیں اختیار کر لی۔ ایک شخص وہاں سے آیا ہے، کہتا ہے خوش و خرم ہیں۔ اور ماشاء اللہ سات بچے ہیں"۔

بشیرن۔ ان لغو باتوں میں کیا رکھا ہے کہ تم خواہ مخواہ جھوٹ سچ اٹھویں دسویں ایک نئی بات جی سے گھڑ کھڑی کر دیتے ہو۔ ہو کی چھاؤنی میں تم کو پتہ

لگا، پھانسی کی خبر تم کو ملی، سالگرہ کا حال تم کو معلوم ہوا، اب ایک شخص تم سے آ ملا، میری تقدیر ایسی کہاں، کہ میں باجی کی صورت دیکھوں، وہ میری عاشق تھیں، کوار پتے میں بیمار پڑی اماں جان کی تو خیر ماتا تھی، مگر ان کا بھی یہ حال تھا کہ چار دن اور چار رات پٹی نہ چھوڑی، خبر نہیں مجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی، جس کا بدلہ خدا نے مجھے یہ دیا، قصور تو ظاہر ہی ہے، نماز نہیں روزہ نہیں،

ولی بعض دفعہ بہت ہی کفر کی بات کہہ دیتی ہو، یاد رکھو، خدا کسی کی حالت نہیں بدلا کرتا۔ ان باتوں کا الزام خدا پر رکھنا سخت نادانی ہے۔ اپنی کوشش ہے اگر ڈھونڈو تو بہن مل جائے گی، نہ ڈھونڈا نہ ملی، خدا کو کیوں بدنام کیا، کیا نماز سے بہن کا ملجانا یقینی ہے۔

بشیرن یہ تو میں بھی جانتی ہوں، کہ نماز دوسری چیز ہے اور بہن کا ملنا دوسری چیز، مگر جب تم کہتے ہو، کہ ان کا پتہ چل گیا، تو چلو وہیں چلے چاہیں،، ۔

ولی کیا خبر وہاں ہیں یا نہیں ہیں، میں نے تو ایک بات سنی تھی، وہ کہدی اگر یقین ہو جائے تو میں چلنے کے واسطے حاضر ہوں ،،

بشیرن ۔میں تو پہلے ہی کہتی تھی، کہ یہ بھی ایک دل لگی ہے۔ تم کو ایسی کیا غرض جوان کا پتہ لگاؤ ۔

ولی نہیں، میں اب قسم کھا کر کہتا ہوں۔ بہت جلد ان کا پتہ لگا دوں گا،،

(۹)

دن ہوا کی طرح گذرے اور وہ رات سر پر آ پہنچی، جس کی صبح ایک مسلمان عورت کو اس کے جائز حق سے محروم کرکے وہ ستم توڑتی ہے جس کی تلافی اور وہ ظلم ڈھاتی ہے، جس کا معاوضہ نہیں، ہاجرہ کا بیمار بچہ اب اچھا ہوگیا ہے۔ مگر ہجوم افکار نے اس کو مریض سے بدتر بنا دیا ہے، اس نے یہ مدت کیونکر گذاری، اسی کا دل جانتا ہوگا۔ مکان کے در و دیوار کو حسرت سے دیکھتی اور سر پھوڑتی، بیچ بیچ کو چمٹتی، کونے کونے کو لپٹتی، اور شکر کرکے خاموش ہوجاتی، آدھی رات کا سنسان وقت تھا، مسلمان اپنے نرم گرم بچھونوں پر پھولوں کی سیجوں اور عطر کی لپٹوں میں بے خبر پڑے سوتے تھے ان کے کلمہ کی شریک ایک بیوہ عورت ظالم کا شکار، مظلوم ہستی، کلمہ توحید کا اعتراف کرتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی، چھوٹے بچے کو اٹھا کر کلیجہ سے لگایا، پیار کیا اور بڑے بچے کے پاس لٹا کر کہا،

بدنصیب ماں کو طلوع ہونے والا آفتاب نہ معلوم کیا کچھ دکھا کر غروب ہو، دنیا میں اس معصوم کا وارث تیرے سوا کوئی نہیں، ماں کے بعد یہ تیرے پاس ماں کی امانت ہے، اور وصیت کہ ماں کی شفقت اور باپ کی محبت اس کے دل سے فراموش نہ ہو،

ہاجرہ اتنا کہہ کر جھکی، بڑے کی بلائیں لیں، چھوٹے کو پیار کیا، اور دونوں کو خدا حافظ کہہ کر وضو کر، بوریئے پر آ، سجدے میں گری، اور کہا،

یعقوب نے یوسف کی موت سنی، اور موت کا لباس دیکھا، ایوب نے جسم کے زخم دیکھے، اور زخم کے کیڑے، یوسف نے جیل خانہ دیکھا اور زلیخا نے کی

سختیاں دیکھیں، اگرچہ جسمانی مصیبتیں اور روحانی اذیتیں تھیں، عورت کی عصمت وہ کتنی ہی گنہ گار اور کیسی ہی ذلیل وخوار کیوں نہ ہو، ان حوادث سے زیادہ ہے۔ پاک بندوں کی سننے والا تو تھا، ناپاک کی بھی سننے والا تو ہی ہے اچھوں کی مدد تو نے کی، بُرے کی بھی تو ہی کر، نکوکار تیرے دربار سے نامراد نہ گئے، گنہگار تیرے در سے خالی نہ جائیگی، میں مکان کی خواہاں اور دولت کی آرزومند نہیں، تیری زمین فراخ، تیری خدائی وسیع، تیری سلطنت عظیم ہے لیکن مجھکو پناہ دینے والا زمین کا کوئی ذرہ نہیں ہے، بچا، مجھکو اس وقت سے کہ نامحرم مجھکو اس گھر سے نکالیں،،

،، اٹھی اور آسمان کی طرف دیکھکر کہا،،

دکھا اپنی قدرت کے کرشمے اور نہ دکھا وہ وقت کہ یہ آواز کسی غیر مرد کے کان میں پہنچے، پھوڑ دے ان آنکھوں کو، مردہ کردے اس جسم کو، اور گھونٹ دے اس حلق کو اس سے پہلے اس سے پیشتر اس سے قبل کہ اغیار کی صورت نظر آئے، نامحرم کا ہاتھ مس ہو، اور غیر اس زبان سے اپنے سوال کا جواب سنیں

آہٹ ہوئی پلٹ کر دیکھا، تو ایک برقع پوش عورت سامنے تھی، اُس کے ہاتھ میں رومال تھا، اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں رومال دیکر غائب ہوگئی۔

رات چاندنی تھی، رومال کھولا، آٹھ سو روپے نقد موجود تھے، گنے اور اٹھا کر ایک کونے میں رکھدیئے۔

پچھلا پہر تھا، تارے جھلملا کر وداع شب کی اطلاع روئے زمین کو دے رہے

تھے، کہنے لگی،، آج کنڈی لگانی بھی بھول گئی مگر نقاب پوش کو میں نے جاتے نہیں دیکھا، کدہر غائب ہوئی۔ جاؤں دروازے میں دیکھوں کنڈی لگا لوں،، ایک قدم اٹھایا تھا کہ ہوا وہ آواز کان میں لائی، جس میں توحید کا اعتراف اور رسالت کی شہادت تھی ،،

(۱۰)

آج آفتاب سیٹھ سٹھانی اور پوجاریوں کے واسطے فانی مسرتوں کا خزانہ لئے نمودار ہوا،، زنانہ اور مردانہ دونوں جلسے تھے،، جس کی بڑی غرض یہ تھی، کہ عین وقت پر عورت فیل نہ مچائے، مرزا صاحب کی موجودگی میں انخلا با آسانی ہو سکے انواع واقسام کے کھانے شیرینی اور پھل چائے، مکھن، توس، سوڈا، لیمن اڑتے رہے،

ٹھیک دس بجے ناظر نے ہاجرہ کے دروازے پر آواز دی،،

"آٹھ سو روپے دو، ورنہ مکان سے باہر نکل آؤ"،،

لڑکا رومال لیکر باہر آیا اور کہا

"آٹھ سو روپے گن لیجئے"،،

سیٹھ دنگ پوجاری حیران ناظر ششدر، اور جیراسی متحیر تھے اسی وقت سیٹھ دوڑا ہوا مرزا کے پاس گیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

مرزا ۔ گھبراؤ نہیں، اس کا ابھی انتظام ہو جاتا ہے، ناظر یہ حکم ادہر لاؤ، اور باسٹھ روپیہ خرچہ کا بھی طلب کرو،،

ناظر نے آ کر باسٹھ روپیہ کا مطالبہ اور کیا، مگر اب کیا رکھا تھا، ہاجرہ اپنے

بچوں کو لے کر کوٹھڑی میں گھسی تو برقع پوش عورت اندر موجود تھی۔ناظر
چپراسی دندانہ گھر میں چلے آئے اور سیر دیکھنے کے واسطے سیٹھانی اور
بشیرن بھی موقع پر کرسیاں بچھائے بیٹھی تھیں۔
جب کسی طرح دروازہ نہ کھلا تو مرزا صاحب نے حکم دیا۔
آپ اپنی مرمت شروع کیجئے اور دروازہ توڑ دیجئے۔
مکان پر پھاوڑہ بج گیا اور سب سے پہلے پردہ کا دروازہ ڈھایا
گیا، جب اس پر بھی مکان خالی نہ ہوا تو مرزا صاحب نے حکم دیا کہ
"کوٹھڑی کا دروازہ توڑ دو"
اس وقت صرف ایک آواز کان میں آئی:۔
"بے وارثی کے وارث میری مدد کر"
دروازہ ٹوٹا چول اتری تو دیکھا صرف جسد خاکی تھا، اور ہاجرہ کی
روح وارث حقیقی کے پاس پہنچ چکی تھی۔
لاش باہر آئی، تو بشیرن مسکراتی ہوئی اٹھی اور یہ کہکر کہ
"موت ناممکن ہے"
قریب گئی تو ہاجرہ واقعی مردہ تھی، جھکی اور کچھ دیکھا اور یہ کہہ کر ایک
چیخ ماری۔ "ہائے میری بہن"
مرد باہر چلے گئے، برقع پوش عورت باہر آئی برقع اتارا، تو ولی کی ماں تھی
اس نے صرف اتنا کہا اور چلی گئی۔
"دنیوی فیصلہ اب ختم ہوا اب خدائی فیصلہ کا انتظار کرو"

علامہ راشد الخیری مدظلہ کی مشہور کتابیں

جوہر عصمت اردو کے سب سے بڑے فسانہ نویس علامہ راشد الخیری مدظلہ کے ان تمام مختصر افسانوں کا مجموعہ جو مخزن، عصمت، تمدن وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں نہایت دردانگیز نتیجہ خیز اور موثر کہانیاں ہیں۔ پہلے اس کا حجم ۶۰ صفحہ تھا اور قیمت ۶/ اس چوتھے ایڈیشن کا حجم پہلے سے تگنا ہے اور قیمت ۱۲/

امت کی مائیں یعنی ازواج النبی صلعم کی مقدس زندگی کے مختصر حالات ہر مسلمان بی بی کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے حال میں چھپی ہے۔ قیمت صرف (عہ/) ایک روپیہ

الزہرا سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ کی اردو زبان میں بہترین سوانح عمری علامہ محترم کی برسوں کی محنت، سات دفعہ چھپ چکی ہے یہی اس کی مقبولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ قیمت صرف (۱۲/) بارہ آنہ

نوحہ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق مصور غم کی نہایت دردانگیز تصنیف ناممکن ہے کہ آنسو نہ نکل پڑیں۔ پانچواں ایڈیشن قیمت بارہ آنہ (۱۲)

سراب مغرب تقلید مغربی کے برے نتائج ایک شریف خاندان کی بربادی مشہور تصنیف ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔ قیمت ۸/

فسانہ سعید ایک مصیبت زدہ لڑکی کا درد و غم بھرا افسانہ باپ کی خود غرضی پر بیٹی کی قربانی جدید ایڈیشن ابھی پریس سے نکلا ہے۔ قیمت صرف ۸/

سات روحوں کے اعمال نامے قیمت صرف ۸/ مشہور و مقبول عام تصنیف ہے

بنت الوقت وقت کا ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرتناک انجام فیشن جدید کی خرابیاں۔ پانچواں ایڈیشن قیمت صرف ۸/

سنجوگ دولت پر بیٹی کی قربانی قیمت ۱۰/ **سوکن کا جلاپا** قیمت صرف ۶/

گوہر مقصود لال کی تلاش اور خیالستان کی سیر دو دلچسپ قصے ۶/

محبوبۂ خداوند۔ قیمت صرف ۱۲/ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر عصمت ایجنسی دہلی

11752